© rasailojaraid.com

كتاب الكافی فی فروع الحنفیہ

عبدالقدوس ھاشمی

امام اعظمؒ کے نامور شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ کی مقبول و مہتم بالشان چھ کتابوں کے بعد فقہ حنفی کی سب سے زیادہ معتبر و معتمد علیہ کتابیں الحاکم الشہید کی دو کتابیں المنتقیٰ اور الکافی سمجھی جاتی ہیں، مولانا عبدالحی فرنگی محلی المتوفی ۱۳۰۴ھ نے اپنی کتاب الفوائد البھیہ فی طبقات الحنفیہ میں لکھا ہے:-

الکافی والمنتقی اصلان من اصول المذھب بعد کتب محمد (ص ۱۸۵)

(حاکم شہید کی) دونوں کتابیں الکافی اور المنتقیٰ امام محمد کی کتابوں کے بعد (فقہ حنفی کی) دو بنیادی کتابیں ہیں۔

حاجی خلیفہ چلپی المتوفی ۱۰۶۷ھ نے اپنی کتاب کشف الظنون میں لکھا ہے:-

الکافی فی فروع الحنفیہ للحاکم الشھید محمد بن محمد الحنفی المتوفی سنہ ۳۳۴ھ جمع فیہ کتب محمد بن الحسن المبسوط وما فی جوامعہ، وھو کتاب معتمد فی نقل المذھب، وشرحہ جماعۃ من المشایخ منھم شمس الایمۃ السرخسی وھو المشھور بمبسوط وھو المراد اذا طلق المبسوط فی شروح الھدایۃ وغیرھا۔ وشرحہ الامام احمد بن منصور الاسبیجابی المتوفی سنہ ۴۸۰ھ ایضاً ولاسمعیل بن یعقوب الانباری المتکلم

الکافی فی فروع الحنفیہ حاکم شہید محمد بن محمد حنفی متوفی ۳۳۴ھ کی کتاب ہے، انھوں نے محمد بن حسن کی کتاب مبسوط اور ان کی جوامع میں جو کچھ ہے اس کتاب میں یکجا کر دیا ہے، وہ ایک ایسی کتاب ہے جس پر مسلک حنفی کو بیان کرنے میں اعتماد کیا جاتا ہے، اس کتاب کی شیوخ فقہ میں سے بہت سے لوگوں نے شرحیں لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک شمس الایمہ سرخسی بھی ہیں۔ یہ وہی شرح ہے جو مبسوط کے نام سے مشہور ہے اور ہدایہ وغیرہ کی شرحوں میں جب مبسوط کا نام مطلقاً آتا ہے

المتوفی ۳۳۱ھ شرح مفید۔ (ص ۱۳۷۸)

تو اس سے یہی شرح مراد ہوتی ہے۔ امام احمد بن منصور اسبیجابی متوفی ۴۸۰ھ نے بھی الکافی کی ایک شرح لکھی ہے اور اسمٰعیل بن یعقوب الانباری المتکلم المتوفی ۶۳۱ھ نے بھی اس کی ایک کارآمد شرح لکھی ہے۔

شمس الایمہ امام محمد بن احمد السرخسی متوفی ۴۸۳ھ کی شرح یعنی المبسوط تیس ضخیم جلدوں میں ہے اور ۱۳۲۴ھ میں بمقام قاہرہ طبع ہو چکی ہے۔ وہ اپنی اس عدیم المثال کتاب کے مقدمہ میں فرماتے ہیں :-

فرأیت الصواب فی تالیف شرح المختصر (الکافی للحاکم الشہید) لا ازید علی المعنی الموثر فی بیان کل مسئلة اکتفاء بما ھو المعتمد فی کل باب۔

تو میں نے یہ مناسب سمجھا کہ مختصر الکافی للحاکم الشہید کی ایک شرح تالیف کروں۔ کسی مسئلہ کے بیان میں ضروری باتوں کے سوا کچھ نہ لکھوں۔ ہر باب میں جو قابلِ اعتماد اقوال ہوں، انہی پر اکتفاء کروں۔

اگرچہ علم فقہ میں اور دوسرے علوم میں الکافی یا المختصر الکافی کے نام سے متعدد کتابیں ہیں لیکن اس وقت جس کتاب کا ذکر ہے وہ اوائل صدی چہارم کے نامور قانون دان، فقیہ، قاضی اور ایک سلطنت کے مدار المہام الحاکم الشہید محمد بن محمد الحنفی کی معتمد علیہ کتاب الکافی ہے۔ یہ ابھی تک کہیں طبع نہیں ہوئی ہے اور اب تو دست برد زمانہ سے اس کے قلمی نسخے بھی اگر نایاب نہیں تو کمیاب ہو چکے ہیں۔ بڑی تلاش و تفحص سے اس کا ایک نسخہ کتب خانہ ادارۂ تحقیقات اسلامی کے لئے حاصل کیا جا سکا ہے۔ ادارہ کے ڈائرکٹر جناب ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی صاحب نے اپنے سفرِ مصر میں جامعۃ الدول العربیۃ کے خزانۂ مخطوطات مصورہ سے اسے حاصل کیا تھا۔ یہ نسخہ تین ضخیم جلدوں میں ہے اور کتب خانہ کے شعبۂ مصورات میں میکروفلم ۱۳۳ و ۱۳۷ و ۱۳۵ پر محفوظ ہے۔

متاخر فقہاء اور قضاۃ کی کتابوں کا رواج جیسے جیسے بڑھتا گیا متقدمین کی تصنیفات اگلی الماریوں سے ہٹ کر پچھلی الماریوں میں جگہ پاتی رہیں حتیٰ کہ خود امام محمد کی کتاب السیر الکبیر کا کوئی نسخہ اب دستیاب نہیں۔ الحاکم کی دوسری کتاب جو سب سے زیادہ اہم اور وسیع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب ہے یعنی کتاب الاصل یا مبسوط امام محمد، یہ بھی اب تک پوری نہیں چھپی ہے، ایک چھوٹا سا ٹکڑا ابھی چند سال پہلے طبع ہو سکا ہے۔ حالانکہ فقہ اور قانون کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے امام محمد کی کتاب الاصل حقیقتہً اصل کتاب ہے۔ اتنی وسیع اور دقتِ نظر کے ساتھ لکھی ہوئی کوئی کتاب قانون اُن کے زمانہ میں تو کیا امام محمد کے بعد بھی ایک ہزار سال تک دنیا کی کوئی اور قوم پیش نہ کر سکی۔

کچھ اسی قسم کا سلوک الحاکم الشہید کی کتاب الکافی کے ساتھ بھی ہُوا، اس کے قلمی نسخے جن اہل علم حضرات کو ملے، انھوں نے اسے حرزِ جان بنا کر رکھا اور اِن سے خوب خوب فائدہ اُٹھایا مگر جہاں تک مجھے علم ہو سکا ہے۔ اس کے بہت ہی کم نسخے ملتے ہیں۔ اور طبع ہونے کی نوبت تو ابھی تک نہیں آ سکی ہے۔

الحاکم الشہید | ابو الفضل محمد بن محمد بن احمد بن عبداللّٰہ بن عبدالمجید بن اسماعیل البلخی السلمی المروزی الحنفی الوزیر حافظ القرآن والحدیث الفقیہ الحاکم الشہید، المتوفی شہیداً ۳۳۴ھ۔

یہ بزرگ نسلاً ترک تاجیک تھے۔ اصلاً البلخی، ولاءً السلمی، مسلکاً الحنفی اور مشہداً المروزی، اپنے زمانہ کے نامور عالم، نکتہ رس فقیہ، ذہین قانون دان، نامی وزیر، عابد و متقی اور وسیع القلب و خوش اخلاق معلم تھے۔ کسی کتاب میں ان کی ولادت کا سال نہیں ملا لیکن قیاسی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ۲۷۵ھ یا اس سے قریب کسی سنہ میں بمقام بلخ پیدا ہوئے تھے۔ کیوں کہ ۳۳۴ھ میں جب یہ شہید ہوئے ہیں، اس وقت اِن کے فرزند ابن الحاکم جوان اور صاحب اولاد ہونے کے علاوہ بحیثیت ایک اُستاذ مشہور ہو چکے تھے۔

شہر بلخ جسے الحاکم الشہید کے وطن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ایک قدیم تاریخی مقام ہے جو آج کل ملک افغانستان کا ایک مشہور شہر ہے۔ دار السلطنت کابل سے تقریباً ۴۰۰ میل اور شہر مزار شریف سے تقریباً ۱۴ میل کے فاصلے پر ہے۔ اس کی زمین سطح سمندر سے ۱۱۵۸ فٹ بلند ہے۔

شہر بلخ کی بِنا کے متعلق مقامی طور پر متعدد روایتیں مشہور ہیں، کوئی کہتا ہے کہ اس کی بِنا حضرت نوح علیہ السلام کے پرپوتے نے رکھی تھی جس کا نام بلخ تھا اور کوئی کہتا ہے کہ سکندر اعظم نے یہ شہر بسایا تھا۔ اُس وقت اس کا نام اسکندریہ رکھا گیا تھا۔ چاہے کسی نے اس کی بِنا رکھی ہو، لیکن خود

یہ افسانے اس کی غمازی کرتے ہیں کہ بلخ ایک بہت ہی پُرانا شہر ہے۔ اس کا اسلامی دَور اُس وقت سے شروع ہوتا ہے جب کہ امیرالمؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت (۲۴ھ تا ۳۵ھ) میں اُن کے حکم سے حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز نے اپنے نائب حضرت احنف بن قیس کو بلخ کی فتح کے لئے بھیجا اور انھوں نے اسے فتح کر کے خلافتِ راشدہ کے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا۔ اس وقت بھی یہاں ترکی قبائل ازبک وتاجیک آباد تھے اور آج بھی یہاں کی آبادی میں چند یہودی اور تھوڑے سے افغان کے سوا باقی ترک، ازبک، تاجیک اور تتر بستے ہیں۔

عباسیوں کے عہد میں ایک مجاہد عبید اللہ بن عبداللہ الحافظ کو بلخ کے انتظامات پر مامور کیا گیا تھا اور وہ بادلِ ناخواستہ یہاں آئے تھے، بغداد سے رخصت ہوئے تو انھوں نے یہ شعر کہے تھے: ؎

اقول وقد فارقت بغداد مکرھاً سلام علی اھل القطیعۃ والکرخ
ھوای ورائی والمسیر خلافہ فقلبی الی کرخ و وجھی الی بلخ

(میں اس وقت یہ کہہ رہا ہوں جب کہ میں نے بغداد کو مجبوراً چھوڑا ہے، سلام ہو قطیعہ اور کرخ (بغداد کے دو محلے) کے رہنے والوں پر، میری تمنا میرے پیچھے ہے اور سفر اس کے خلاف سمت ہو رہا ہے، اس لئے میرا دل کرخ کی طرف ہے اور منہ بلخ کی طرف)۔

شہر بلخ زمانہ قدیم ہی سے ایک دوسرے نام باختر سے بھی معروف رہا ہے اور اس کا یہ نام آج تک باقی ہے۔ قاموس جغرافی افغانستان میں اس شہر کا نام بلخ یا باختر لکھا ہُوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض ہندوستانی شہروں مثلاً عظیم آباد پٹنہ، شاہ آباد آرہ، فتح گڑھ فرخ آباد وغیرہ کی طرح یہ شہر بھی تاریخ کے کسی دَور میں دو قریب قریب کی آبادیوں کے مل جانے کی وجہ سے بلخ اور باختر دونوں ناموں سے موسوم ہو گیا ہے۔

فتح اسلامی کے بعد سے یہ شہر بہت سے اہل علم وعرفان کا وطن رہا ہے مثلاً حضرت ابراہیم بن ادہم المتوفی ۱۶۲ھ، عبداللہ بن احمد بلخی المتوفی ۱۸۹ھ، امام ضحاک ابونصر محمد بن مزاحم المتوفی ۱۹۰ھ، حضرت شفیق بلخی (شاگرد امام زفر) متوفی ۱۷۴ھ، صاحب مثنوی مولانا محمد رومی متوفی ۶۷۲ھ اور حضرت خواجہ ابونصر پارسا متوفی ۱۰۰۵ھ وغیرہ وغیرہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلخ یا باختر کے گرد و نواح میں بعض صحابۂ کرام، تابعین عظام اور بہت سے رواۃ حدیث، ائمۂ فقہ اور مشاہیر مجاہدین کی قبریں اب تک موجود ہیں۔

حاکم شہید کے نام کے ساتھ ایک نسبت السُّلمی جو لکھی گئی ہے، یہ نسبت وِلا ہے۔ عہد صحابہ میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی غیر مسلم کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا تھا تو اُس کے گھرانے کا ایک جزء اور اس کے قبیلہ کا ایک فرد ہو جاتا تھا، ایسی نسبتوں کو علم الرجال میں امتیاز کے لئے نسبت وِلا کہا جاتا ہے ہزاروں بزرگوں کا ذکر علم الرجال کی کتابوں میں ملتا ہے جو نسلاً عرب نہ تھے مگر کسی نہ کسی عرب قبیلہ کی طرف نسبت وِلا رکھتے تھے۔ حاکم شہید کے مورث اعلیٰ بھی چونکہ قبیلہ بنی سلیم کے ایک بزرگ کے دست حق پرست پر ایمان لائے تھے اس لئے ان کی اولاد ولاءً السلمی کہلانے لگی۔

اساتذہ حاکم شہید نے جب آنکھ کھولی اس وقت شہر بلخ میں بہت سے اہل علم و عرفان موجود تھے جنہوں نے حجاز و عراق میں طویل مدت تک رہ کر علم حاصل کیا تھا یا حجاز و عراق کے وہ بزرگ تھے جنہوں نے بلخ کو اپنا وطن بنالیا تھا، مثلاً:۔

۱ - حافظ ابوبکر احمد بن محمد البلخی المتوفی ۳۱۴ھ۔

۲ - الفقیہ علی بن الفضل البلخی المتوفی ۳۲۳ھ۔

۳ - الحافظ ابو علی عبداللہ بن محمد البلخی المتوفی ۲۹۵ھ۔

۴ - الحافظ ابوالعباس حامد البلخی المتوفی ۳۰۹ھ ...... وغیرہم۔

غرض یہ کہ تیسری صدی ہجری کے اواخر میں بلخ کا یہ چھوٹا سا شہر مدرسین، فقہا اور محدثین سے خالی نہ تھا۔ یہاں حاکم شہید نے مروجہ تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد طلب علم کے لئے سفر کو روانہ ہوئے، مرو میں ابو رجاء محمد بن حمدویہ الھورقانی شاگرد امام احمد بن حنبل۔ یحییٰ بن ساویہ الذھلی۔ اور محمد بن عصام بن سہیل سے علم حدیث حاصل کیا، نیشاپور میں امام مسلم کے شاگردِ رشید عبداللہ بن شیرویہ ـــ سے، رے میں ابراہیم بن یوسف حسنجانی سے، بغداد میں ہیثم بن خلف الدوری اور ابو عبداللہ احمد بن الحسن العوفی سے، کوفہ میں علی بن العباس البجلی سے، مکہ مکرمہ میں مفضل بن محمد الجندی سے، مصر میں علی بن احمد بن سلیمان المصری سے اور بخارا میں محمد بن سعید النوحابادی سے تفسیر، حدیث اور فقہ کے علوم حاصل کئے، یہ وہ چند اسمائے گرامی ہیں جن کا ذکر حاکم شہید کے

اساتذہ میں تصریح کے ساتھ کیا گیا ہے۔ باقی اساتذہ کے نام چھوڑ کر صرف وعن طبقتھم کہا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حاکم شہید نے ان اساتذہ کے علاوہ اور بہت سے معاصرین سے حدیث کا درس لیا تھا۔ کہتے ہیں کہ انھیں ساٹھ ہزار حدیثیں یاد تھیں۔

شہادت | تحصیل علم کے بعد حاکم شہید کی عمر کا بڑا حصہ سرکاری ملازمتوں میں گزرا، کبھی وہ بخارا کے قاضی رہے اور کبھی والیان ریاست کے اتالیق، اور آخر میں کئی سال تک امیر حمید والئی خراسان کے وزیر بھی رہے۔ اس زمانہ میں خراسان کا صدر مقام شہر مرو تھا جو آج کل ایشیائی روس کا ایک شہر ہے۔ یہیں باب مرو کے قریب ان کا مکان تھا۔ باغی فوجیوں نے ربیع الآخر ۳۳۴ھ میں انھیں عین سجدہ کی حالت میں شہید کر دیا۔ سلطانی فوج ان کی حفاظت کے لئے آئی مگر باغیوں پر فوراً قابو نہ پا سکی، اور ہونے والی بات ہو کے رہی۔ الاعلام للزرکلی میں شہر ۳۳۵ میں شہید ہونا لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح الفوائد البھیہ میں سال شہادت ۳۴۴ھ لکھا ہے جو تصحیف ہے۔

تدریس وتالیف | امام حاکم شہید اپنی مصروف زندگی کے کسی دور میں تعلیم وتدریس اور تصنیف وتالیف سے غافل نہیں رہے، ان کے نامور شاگرد الحاکم الکبیر ابو احمد محمد بن محمد الکرابیسی المتوفی ۳۷۸ھ کا بیان ہے کہ:-

"میں ایک مدت تک حاکم شہید کے ساتھ رہا ہوں، وہ ہر دو شنبہ و پنج شنبہ کو نفل روزے رکھا کرتے تھے، سفر وحضر میں کبھی تہجد کی نماز نہیں چھوڑتے تھے اور اسی طرح تصنیف وتالیف کا مشغلہ بھی چاہے سفر میں ہوں یا حضر میں، کبھی ترک نہیں کرتے تھے۔ زمانۂ وزارت میں اُن کا یہ حال تھا کہ سادہ کاغذ، کتابیں اور قلمدان سامنے دھرا رہتا جس سے ملاقات کی ضرورت ہوتی۔ اُس کو آنے کی اجازت ملتی۔ ملاقات کرتے اور پھر مطالعہ اور تصنیف میں مشغول ہو جاتے۔ ابو العباس بن حمویہ کہتے ہیں کہ ہم اُن کے پاس آتے تو ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ باتیں نہ کرتے، اپنا قلم ہاتھ میں لے کر تحریر میں مشغول ہو جاتے۔" حاکم کبیر کا بیان ہے کہ حاکم شہید کی مجلسِ املاء میں جمعہ کے دن عصر کے وقت میں آیا۔ اسی وقت امیر ابو بکر بن المعافر بھی آ گئے۔ اُنھوں نے امیر کے لئے کھڑے ہو کر تعظیم تو دی مگر اپنی جگہ سے ہلے نہیں اور دروازہ ہی پر سے امیر کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ جناب عالی! آج آپ کا دن نہیں ہے۔ حاکم شہید نے اپنے دربان بلیشہ کا اور معتمد کو یہ تاکید کر رکھی تھی کہ شام کے وقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور عشاء کے بعد کسی طالب علم، مسافر اور پیوند لگے ہوئے پُرانے لباس والے غریبوں کو میرے پاس آنے سے نہ روکو، البتہ پُرشکوہ امیروں اور دولت مندوں کو ان اوقات میں نہ آنے دیا کرو۔

حاکم شہید کے فرزند کا بیان ہے کہ امام حاکم شہید نمازوں کے بعد بہت سی دعائیں کیا کرتے تھے اور آخر میں یہ دعاء کرتے تھے کہ:

اللّٰھمّ ارزقنی الشھادۃ ، اے میرے اللہ مجھے شہادت کی موت عطا کر۔

اُن کی یہ دعاء قبول ہوئی اور انھیں نماز صبح کے بعد عین حالتِ سجدہ میں شہید کر دیا گیا۔

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

تلامذہ امام حاکم شہید کے شاگردوں اور اِن سے استفادہ کرنے والے ایمۂ حدیث و فقہ کا شمار ممکن نہیں۔ تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ:

سمع منہ مشایخ خراسان قاطبۃ و ایمتھا۔ حاکم شہید سے خراسان کے تمام شیوخ اور ایمہ نے علم حدیث حاصل کیا۔

ان کے شاگرد اور تلامذہ بعد کو کس درجہ کے اہل علم ثابت ہوئے، اس کے لئے مستفیدین میں سے صرف دو ناموں کا ذکر کافی ہے۔

۱۔ الحاکم الکبیر محمد بن محمد الکرابیسی المتوفی ۳۷۸ھ۔

۲۔ الحافظ الکبیر ابوالعباس بن حمویہ المتوفی ۳۶۵ھ تقریباً۔

تصانیف جس شخص نے ساری زندگی تعلیم و تصنیف کے مشغلہ کو نہ چھوڑا ہو، اس کی تصنیفات کی تعداد بھی تلامذہ کی تعداد کی طرح بہت بڑی ہونی چاہئیے، لیکن ہمیں امام حاکم شہید کی صرف پانچ کتابوں کا ذکر تذکروں میں مل سکا ہے:

۱۔ المختصر: اس کا ذکر صرف فوائد البہیہ میں ہے۔

۲۔ الغرر فی الفقہ: اس کا ذکر کشف الظنون ص ۱۲۰۲ میں اور ہدیۃ العارفین ج ۲ ص ۳۷ میں ہے۔ لیکن صرف نام مرقوم ہے۔

۳۔ المستخلص من الجامع فی الفروع: اس کا ذکر کشف الظنون ص ۱۶۷۴ اور ہدیۃ العارفین ج ۲ ص ۳۷ میں ہے۔

۴- المنتقیٰ: اس کا ذکر کشف الظنون ص۱۸۵۲ اور ہدیۃ العارفین ج ۲ ص۳۷ میں ہے۔

۵- الکافی فی فروع الحنفیۃ: اس کتاب کا ذکر تمام تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔

اور ان پانچ کتابوں میں سے بھی صرف الکافی ہی دستیاب ہے۔ باقی بڑی مدت سے نایاب ہو چکی ہیں، مشہور خزینہ ہائے کتب میں کہیں ان کے کسی نسخہ کا سراغ نہیں مل سکا۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی مرحوم نے جو ایک کتاب "المختصر" کے نام کی بتائی ہے۔ اس کے بارے میں میرا خیال یہ ہے کہ یہی "المختصر الکافی" ہے اور دونوں ناموں کے مابین واو عطف کاتب کی غلطی سے زیادہ ہو گیا ہے۔ کسی اور جگہ اس نام کی کتاب کا ذکر حاکم شہید کی مصنفات میں نہیں ملا۔

الکافی کتاب الکافی تین ضخیم جلدوں میں،

جلد اوّل: حجم ۶۳۲ صفحات، سطر فی صفحہ مختلف ۲۱ - تا - ۲۵ - خط نسخ معمولی - تاریخ کتابت ۷۳۶ھ۔

جلد دوم: حجم ۶۸۰ صفحات، سطر فی صفحہ ۲۷ - خط نسخ معمولی - تاریخ کتابت ۷۸۲ھ۔

جلد سوم: حجم ۵۴۲ صفحات، سطر فی صفحہ مختلف - ۲۳ - ۲۷ - تاریخ کتابت ۷۶۹ھ۔

ابتداء: الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ الطیبین، قال ابوالفضل محمد بن احمد رضی اللہ عنہ، قد اودعت فی کتابی ھذا معانی محمد بن الحسن فی کتبہ المبسوطۃ ومعانی جوامعہ المؤلفۃ مع اختصار کلامہ وحذف المکررات من مسائلہ قاصدًا لیسھل سبل الراغبین فی حفظہ الیہ وتخفیف المؤنۃ علیہ فی کتابتہ وقرأتہ وحملہ فی السفر والحضر واللہ ولی النفع والعصمۃ من الزلل۔

اس کے بعد کتاب الصلوٰۃ شروع ہوتی ہے۔ کتاب کی ترتیب وہی ہے جو عام طور پر فقہ کی کتابوں کی ہوتی ہے یعنی اوّل عبادات، دوم مناکحات، سوم معاملات، چہارم متفرقات۔ جلد اوّل عبادات میں کتاب الصلوٰۃ سے شروع ہوتی ہے اور چوتھی جلد کا آخری باب متفرقات میں سے باب الاستخلاف ہے۔ — اس نسخہ کا خط اگرچہ خوش خط معیاری نہیں ہے لیکن اتنا صاف اور واضح ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہ آسانی پڑھا اور سمجھا جا سکتا ہے، کتابت کی غلطیاں بھی بہت نہیں ہیں جو استفادہ میں مخل ثابت ہوں۔

الکافی کے دوسرے نسخے جہاں تک مجھے علم ہو سکا ہے، حسب ذیل مقامات پر مکمل یا نامکمل موجود ہیں۔

۱ - دارالکتب المصریہ القاہرہ میں۔

۲ - خزینۃ المصورات جامعۃ الدول العربیہ القاہرہ میں۔

۳ - کتب خانہ سلطان احمد الثالث، استنبول میں۔

معادر:- الحاکم الشہید کا تذکرہ تقریباً تمام تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔ حسب ذیل کتب قابلِ ذکر ہیں:

۱- انساب السمعانی (الشہید) ص ۳۴۱/۲ ۔

۲ - المنتظم لابن الجوزی ج ۶ ص ۲۴۶ ۔

۳- الجواہر المضیۃ ج ۲ ص ۱۱۲ ۔

۴ - الفوائد البہیۃ ص ۱۸۵ ۔

۵ - حدائق الحنفیہ ص ۱۶۹ ۔

۶ - معجم المؤلفین ج ۱۱ ص ۱۸۵ ۔

۷ - ہدیۃ العارفین ج ۲ ص ۲۷ ۔

۸ - الاعلام للزرکلی ج ۷ ص ۲۴۲ ۔

۹ - بروکلمان، تاریخ ادبیات عرب 1, 182 (174) S.1. 294 -